ان ائمہ کے مسلک کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے لیکن نارمل حالات میں ایسا کرنا قرآنی روح کے خلاف ہے، تین طہروں میں تین طلاقیں تشخیص کرنے سے غرض یہ تھی کہ فریقین کو سوچنے اور وقتی ابال کی وجہ سے عاقبت نا اندیشانہ اقدام پر غور کرنے کا موقعہ مل جائے اس کے باوجود اگر فریقین جڑ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہو سکے تو پھر گھر کی فضا کو مزید تکدر سے بچانے، ان کے ازدواجی رشتہ کو کاٹ پھینکنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ طلاق کا یہ ایک حکیمانہ انداز ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ اور حضرت امام ابن القیمؒ نے اس نکتے کی جو تفصیلات پیش کی ہیں، حرزِ جاں بنانے کے قابل ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی عمر، جب بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو اغوا کیا تھا، اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟ قرآن اور حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہاں تورات میں آیا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی۔

یعقوب کا احوال یہ ہے کہ یوسف ۱۷ برس کا ہو کے اپنے بھائیوں کے ساتھ گلہ چراتا تھا (پیدائش)

عام فہم کا آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ اتنی عمر کے بچے جوان ہوتے ہیں۔ ان کا اغوا آسان نہیں ہوتا، کنوئیں میں ڈالنے کے لیے ڈول میں بٹھا کر دھکا، پھر اسے نکالنا، بکنا اور اسکو چھپانا یہ سب باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ وہ کم سن بچے تھے۔

غلام کے یہ معنی کرنا کہ اس کی مسیں بھیگنے کو آئیں۔ یعنی بھرپور جوانی کو پہنچے (مفردات راغب) غلام کی عمر کی آخری حد ہے۔ ساری نہیں ہے اور اسی بات کی طرف توجہ نہ دینے کی وجہ سے جو ذہول ہوا ہے، ہوا ہے۔

(فی الشرع یسمی غلاماً الی البلوغ (دستور العلماء ص ۲۳/۲)

بس غلام کے سلسلے میں جو مغالطہ لگا ہے، وہ اس کی اسی شرعی اصطلاح کی حقیقت پر غور نہ کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت موسٰی علیہ السلام کے سلسلے میں "غُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ" کا ذکر کیا ہے۔ یتیم بالغ بچے کو نہیں کہتے، یتیم دراصل نابالغ بچہ ہوتا ہے (مفردات) اس سے معلوم ہوا کہ غلام نابالغ بچے کو بھی کہتے ہیں۔ گرم ممالک میں ۱۷، ۱۸ سال کا بچہ بالغ ہوتا ہے۔

حضرت مریم اور حضرت زکریا کو اللہ تعالیٰ نے ایک "غلام" (بچے) کی بشارت دی تھی، ظاہر ہے وہ کم سن بچے کی بابت ہی ہو سکتی ہے "مسیں بھیگے" ہوئے نوجوان تو پیدا نہیں ہوتے۔ جب بچہ عطا ہوتا ہے تو ننھا منھا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام گو اس حد تک ننھے منھے نہ ہوں (کیونکہ وہ اپنا خواب بھی خود بیان کرتے ہیں) تاہم وہ ایسے بھی نہیں تھے کہ اسے خود کفیل جوان تصور کیا جائے۔